علم علل الحدیث علم تصحیف الاسماء علم الوحدان علم روایۃ الآباء عن الابناء علم روایۃ الصحابہ عن التابعین۔ علم موضح الاوھام علم الجمع والتفریق علم اسباب ورود الحدیث۔

اس موقع پر تمام مذکورہ بالا علوم کی تفصیلات وتشریحات نہ تو ممکن ہے اور نہ مقصود، جن میں سے بعض کو علامہ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں بیان فرمایا ہے۔ البتہ علم اسماء الرجال کے بارہ میں ایک تو انگریز محقق ڈاکٹر اسپرنگر کے اس مشہور نوٹ پر قارئین الحق کی توجہ مبذول کرا رہا ہوں جو اس نے اپنی کتاب انگریزی مقدمہ اصابہ مطبوعہ کلکتہ میں لکھا ہے کہ ——— مسلمان قوم نے علم اسماء الرجال کے ذریعہ پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات قلمبند کرکے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ترقی یافتہ مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ اور مذہب اسلام کی خصوصیات میں سے ایک امتیازی خصوصیت ہے۔

نیز علم اسماء الرجال کے ذریعہ مسلمان قوم نے جس سیاسی انتظام واستحکام اور تحقیق وتجسس کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ بھی نہایت قابلِ غور ہے جس کے سلسلہ میں ذیل کے تین واقعات بطور نمونہ عرض کرتا ہوں۔

۱۔ عبداللہ حاکم سے ایک شخص نے حدیث بیان کی انہوں نے پوچھا کہ کس سے روایت کرتے ہو؟ جواب دیا کہ فلاں (عبد بن حمید) سے فلاں سن میں۔ اس پر حاکم موصوف نے شاگردوں سے کہا کہ دیکھو یہ شخص عبد بن حمید کے مرنے کے سات سال بعد اس سے روایت کرتا ہے۔

۲۔ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس مضمون کی دستاویز پیش کی کہ یہودِ خیبر کو جزیہ دینے اور بیگار کرنے سے معاف کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ نے محدثین وقت سے تحقیق کرائی اور دستاویز کو جن وجوہات سے جعلی قرار دیا گیا ہے، ان باتوں کا تعلق علم اسماء الرجال سے ملتا ہے۔ ایک یہ کہ اس میں سعد بن معاذؓ کی گواہی درج تھی حالانکہ وہ غزوۂ خیبر سے قبل غزوۂ خندق میں وفات پا چکے تھے۔ دوسری بات یہ کہ دست آویز کا کاتب حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو بتایا گیا تھا۔ جب کہ وہ اس وقت مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔

۳۔ اس اہم و انفع علم کے فوائد میں یہ بھی ایک واقعہ پیش آیا کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں عبدالکریم وضاع احادیث کا جرم (وضع احادیث) جب ثابت ہوا اور خلیفہ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ ان چار ہزار احادیث کا تم کیا کرو گے جو میں نے بنا کر اطراف عالم میں پھیلا دی ہیں۔ اس پر خلیفہ نے فرمایا کہ عبداللہ ابن مبارک اور فزاری ایک ایک

حرف کرکے لوگوں کو بتاویں گے۔[۱۸]

مضمون کے آخر میں یہ عرض کرنا شاید بے جا نہ ہو کہ علوم شرعیہ میں علم حدیث کی حیثیت کسی عمارت کی خشت اولین اور سنگ بنیاد کی ہے اور اگرچہ ادلۂ شرع میں سب سے مقدم اور معظم تو کتاب اللہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا صحیح اور قابل عمل فہم و سمجھ، منطوق و مفہوم، تاویل و تفسیر صرف وہی ہو سکتی ہے جو حدیث اور علم الحدیث کی راہ نمائی میں ہو۔ گویا یہاں دانشوران یورپ اور حکمار یونان سے ذاتی نتائج فکر اور خود ساختہ تفسیر و تشریح کا کوئی وزن نہیں ہے ؎

بہ نیم جو نہ خرم علم و حکمت یونان ۔۔۔ چو پیش من ز علوم محمد عربی ہست

بلکہ قرآن کریم کا معنی بیان کرنا قرآن والے کے ذمہ لگا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لبتین للناس ما نزل الیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ اندریں حالات علم حدیث ہی تمام دینی اور مذہبی علوم کا سرچشمہ و سرتاج اور منبع و مرجع ہے۔ اور جو علم و فن کہ حدیث کی روشنی میں یا اس کے خادم اور آلہ کی حیثیت سے ترتیب و تدوین پا گیا ہے۔ وہ تو بیشک علم و فن کہلانے کا مستحق ہے، مگر جس علم کو اس جوہر عزیز اور متاع گرانمایہ سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی سروکار نہ ہو وہ حقیقۃً علم نہیں ہے۔ وحق ما قیل ؎

العلم ما قیل فیہ حدثنا ۔۔۔ وما سوی ذالک وسواس الشیاطین

حوالہ جات :- [۱] مقدمہ فتح الملہم ص۱ [۲] مقدمہ فتح الملہم ص۲۵ [۳] تاج العروس ج۱، ص۱۷ [۴] تاج العروس ج۱ ص۱۵ [۵] فیض الباری ج۱ ص۔۔ [۶] فیض الباری ج۱ ص۱ [۷] رد مختار ص۔۔ طبع جدید [۸] تذکرہ ص۱۹۲ [۹] تذکرہ ص۲۶۷ [۱۰] تاریخ حدیث عبدالکریم [۱۱] تذکرۃ الحفاظ ص۲۵۵ [۱۲] تذکرۃ الحفاظ ص۲۸۹ [۱۳] حضرت الاستاذ علامہ شمس الحق صاحب افغانی بحوالہ کتاب الرشید ساہیوال ص۱۰۰ [۱۴] فتح الملہم ص۲ [۱۵] مطول ص۲۳ [۱۶] اتقان ج۱ ص۔۔ [۱۷] تاریخ حدیث عبدالکریم ص۱۰۰

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ ماہنامہ الحق کیلئے لکھے جانے والے مضامین کا مسودہ نہایت صاف اور کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔ مسودہ صاف ستھرا ہو تو مضمون کی عمدہ ترتیب اور دلکش کتابت میں بہت مدد ملتی ہے۔ (ادارہ)

نور محمد سٹوڈنٹ بی۔ ایس۔ سی
اسلامیہ کالج پشاور

نظریۂ پاکستان

نصاب تعلیم اور ہم

کسی قوم کیلئے وہی نصاب تعلیم صحیح ہو سکتا ہے، جو اس قوم کے ذوق طبعی کے موافق ہو۔ اور دونوں کے درمیان مناسب ہم آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے۔ دراصل "تعلیم ان مخفی قوتوں کے اظہار کا نام ہے جو فطرت نے انسانی طبیعت میں ودیعت کی ہیں۔ اور تعلیم کی بنیاد یہ ہے کہ نقد و انتقاد و توسیع معلومات کے ذریعہ سے انسانی قویٰ کو ترقی دی جائے"۔

تعلیم کے متعلق مندرجہ بالا رائے مولانا آزاد نے "مسلمانانِ ہند اور گورنمنٹ کی تعلیمی حکمت عملی کے تحت" الہلال "۱۸ر جون ۱۹۱۳ء میں تبصرہ فرماتے ہوئے پیش کی۔

تعلیم کے متعلق ایک یورپی مفکر ہنری پسٹالوزی (متوفی ۱۸۲۷ء) نے کہا تھا کہ "آج کل تعلیم کے جو طریقے رائج ہیں ان کے اتباع نے یورپ کو بڑی سخت غلطی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ غلطی ہی نہیں وہ اپنے آپ سامانِ ہلاکت میں ہے۔ ایک طرف تو اعلیٰ درجے کے علوم و فنون و صنائع میں ترقی کر کے فلک العرش پر پہنچ گیا ہے اور دوسری طرف وہ تعلیم طبعی کی وہ بنیاد ہی کھو بیٹھا ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ سب کو ایک تعلیم دینی چاہیئے۔ اور سب کی تعلیم ان کے ذوق طبعی کے موافق ہونی چاہیئے۔" اور "تعلیم صحیح ایک ایسے درخت کے مشابہ ہے جو کسی نہر کے کنارے اپنی تناوری اور سرسبزی کی بہار دکھا رہا ہو۔ یہ درخت کس چیز سے پیدا ہوا ـــ؟ ایک ننھے اور حقیر سے بیج نے اس کو درخت بنایا ہے۔ جو درخت کے تمام افعال و خواص پر حاوی ہے۔ اور جو اس وقت خاک میں چھپا پڑا ہے۔ انسان بھی اسی درخت کے مشابہ ہے۔ بچوں کو دیکھئے ان میں وہی تمام قوتیں مخفی و مستور ہیں جو ان کی زندگی میں نمایاں ہوتی ہیں۔ انسان کی تہذیب صرف ادبی اور اخلاقی

حالت کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔"

ماہرین تعلیم کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم کہاں تک ہماری اس معاملے میں مدد کرتا ہے۔ کہ ہم زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد ایک کامل مسلمان بنتے ہیں۔

ہم پاکستانی ایک قوم ہیں۔ جس کی تشکیل آج سے چودہ سو برس پہلے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جس کی اساس کلمۂ توحید۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ پر رکھی گئی تھی۔ (اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمدؐ کی رسالت (ختم نبوت) کا اقرار و یقین) دراصل اس کلمہ کی اساس بھی خود نبی کی ذات ہے۔ کیونکہ نبی کی حیثیت تسلیم کرنے کے بعد اس کلمہ کو سچا اور قابل عمل مانا گیا۔ بقول علامہ اقبالؒ " اسلام بحیثیت دین خدا کی طرف سے ظاہر ہوا اور بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریمؐ کی شخصیت کا مرہونِ منت ہے۔ (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ)

زمانہ گذرتا گیا حتیٰ کہ بیسویں صدی عیسوی آگئی جس میں کہ ایک دفعہ پھر حق و باطل کا معرکہ بپا ہوتا تھا۔ آخر علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام، خطبات اور خطوط کے ذریعہ اس مردہ قوم میں جان ڈالی اور فرمایا کہ قوم وطن سے نہیں بلکہ عقائد و نظریات کی ہم آہنگی سے وجود میں آتی ہے۔ انہوں نے ایک خط میں فرمایا: "جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے، اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔ جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔" (فیضانِ اقبال مرتبہ شورش کاشمیری)

دنیا کے سامنے علامہ موصوفؒ نے یہی نظریہ پیش کیا کہ مسلمان، ہندوؤں سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ (جو آگے چل کر نظریۂ پاکستان بنا) جس کو انہوں نے (اپنے پیشروؤں کے مطابق) ملتِ اسلامیہ قرار دیا۔ اور یہ بات ان کے کلام میں روزِ روشن کی طرح بالکل واضح ہے کہ ملت کی اساس نبوت پر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ہر اس نظریہ کو اور ہر اس الہام کو جو ملت میں پھوٹ ڈالے گمراہ قرار دیا ہے ؎

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

ان کا یہ فرمان آج تک امتِ مسلمہ نے نہیں بھلایا۔ زانبہ حکمرانوں نے اس اصول کو پس پشت